ڈاکٹر وحید قریشی
یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

مغربی پاکستان میں تدریس فارسی

مغربی پاکستان میں تدریس فارسی کا مسئلہ دیگر ممالک سے مختلف ہے۔ ایران میں فارسی کی تعلیم کا طریق کار اور تدوین نصاب کی صورت بالکل جداگانہ ہے کہ فارسی وہاں ایک زندہ اور بول چال کی زبان کی حیثیت سے موجود ہے۔ یورپ میں فارسی کی اہمیت یا تو مستشرقین کے طبقے کے لیے ہے یا پھر دفتر خارجہ کی لسانی ضروریات کے تابع ہے۔ ہر مغربی ملک کی اپنی زبان کے قواعد اور اس کے نتیجے میں فارسی زبان کی درس و تدریس میں پیدا شدہ مشکلات کے زیر اثر، روش تدریس اور نصابی کتب کی تشکیل ہوتی رہی ہے۔ گویا فارسی زبان کے مطالعے کی خارجی شکل و صورت کا تعین ہر ملک میں کسی مخصوص زبان کی تدریس کے مقاصد اور مادری زبان کی لسانی تشکیلات کے زیر اثر پیدا ہونے والے مسائل کے حل پر منحصر ہے۔ مغربی پاکستان میں فارسی زبان ایران کی طرح نہ تو دفتری اور کاروباری شعبہ ہائے زندگی میں ایک فعال عنصر کے طور پر دخیل ہے اور نہ اس کی حیثیت ایک ایسی زبان کی ہے جو گھریلو زندگی میں مستعمل ہو۔ اس لیے ایرانی طلباء کے لیے لکھی جانے والی درسی کتب اور روش تدریس سے متعلق جملہ مسائل کی نوعیت پاکستان سے مختلف ہے۔ لامحالہ یہاں نہ تو وہ درسی کتابیں مفید ہو سکتی ہیں جو ایرانی طلباء کی ضروریات کے مطابق لکھی گئیں اور جن کے اکثر اسباق ہماری درسی کتابوں میں شامل ہیں اور نہ زبان و بیان کے وہ سانچے کام دے سکتے ہیں جن سے ایک ایرانی طالب علم غیر محسوس طور پر واقف ہے۔ وہ فارسی زبان کی مادری حیثیت کی وجہ سے بعض ایسے مسائل سے دوچار ہی نہیں ہوتا جن سے ایک پاکستانی کو گزرنا پڑتا ہے۔ ایران میں فارسی کی تدریس کا مقصد ادبی اور سماجی ضروریات کے تابع ہے۔ بول چال اور عام کاروباری ضرورت وہاں کبھی درس و تدریس میں بامقصد عنصر نہیں بنتی۔ نیز ایک ایرانی اول فارسی زبان ہی سے متعارف ہوتا ہے اور باقی زبانیں وہ اسی مادری زبان کے حوالے سے سیکھتا ہے۔

(۱)

مغربی پاکستان میں فارسی کی تدریس چھٹی جماعت سے شروع ہوتی ہے اور یہاں فارسی زبان سیکھنے کا عمل اردو اور بعض حالتوں میں انگریزی کے بعد آتا ہے ۔ مغربی پاکستان کا ایک عام طالب علم فارسی کو اردو کے حوالے سے جانتا پہچانتا ہے ۔ ظاہر ہے یہاں فارسی کی تدریس کا جو نظام وضع کیا جائے گا اس میں اردو زبان کی اس حیثیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔ اردو اور فارسی کی لسانی مشابہت ، اردو اور فارسی کے سانچوں کے بعض اختلافات، محاورے اور روزمرہ کا فرق ، مشترک الفاظ کے مفاہیم و مطالب کا اختلاف اور اس سے پیدا ہونے والے سماجی رویوں کا ادراک لازماً ضروری ہوگا ۔ جو نصاب تعلیم اس اختلاف و اشتراک کی مختلف صورتوں کو سامنے نہیں رکھتا اس سے کسی فائدے کا امکان نہیں ۔ ہماری موجودہ درسی کتب کی بنیادی خامی یہی ہے کہ ان میں ایسے ذخیرۂ الفاظ کی بھرمار ہے جو ایک ایرانی طالب علم کے لیے مروج ذخیرۂ الفاظ ہے لیکن مغربی پاکستان کے طالب علم کے لیے عجیب و غریب اور بعض صورتوں میں شدید جذباتی رد عمل کا سبب ہے ؛ مثلاً ہمارا طالب علم محبت اور تعارف کے الفاظ جس سیاق و سباق میں استعمال کرنے کا عادی ہے اس کا جذباتی رویہ نئی صورت حال میں مضحکہ خیز حد تک شدید رد عمل کا سبب بنتا ہے ۔

نصاب کے مدون کا فرض ہے کہ الفاظ کی نئی دلالتوں کے لیے طالب علم کو پہلے سے تیار کرے اور اپنے آپ کو محض ان لفظوں کے استعمال تک محدود نہ کر دے بلکہ الفاظ کا ایرانی مفہوم خود سیاق عبارت سے متعین ہونا چاہیے ۔ ایسی حالت میں جملوں کی صورت محض اس طرح نہیں رہے گی کہ :

من فارسی محبت می کنم

یا

آقاشما چرا تعارف می کنید

جملوں کی یہ در و بست ان مخصوص الفاظ کے نئے مفہوم کو متعین کرنے میں کوئی مدد نہیں دیتی اور جملے پڑھنے والے کے لیے پرانے ذہنی سیاق و سباق کے حوالے سے مضحک شکل اختیار کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے جملہ بنانے والا ان الفاظ کے بارے میں یہ فرض کرکے چلا ہے کہ طالب علم ان کے مخصوص معنی پہلے سے جانتا ہے یا یہ کہ لغت اس کی مدد کر دے گی ۔ حالانکہ یہاں جملے ایسے ہونے چاہیں جن سے الفاظ کا وہ مخصوص مطلب نخود بخود واضح ہو جس کی ترسیل مقصود تھی ۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے ضروری ہے کہ :

(الف) اس ذخیرۂ الفاظ کا شمار کیا جائے جو اردو اور فارسی میں مشترک ہے ۔ اور اسے نصابی کتب میں بنیادی ذخیرۂ الفاظ کے طور پر برتا جائے ۔

(ب) اردو کے لسانی سانچوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے تدریسی مسائل کا جائزہ لے کر درسی

کتب میں اسباق کی درجہ بندی کا عمل معرض وجود میں لایا جائے۔

یہ دوسرا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ لیکن یہاں ایک آدھ مثال سے وضاحت کی جاتی ہے۔ اردو میں جمع بناتے ہوئے عدد اور معدود دونوں میں تغیر ہوتا ہے ; مثلاً دو گھوڑے ، تین آدمی ! لیکن فارسی میں جمع کی حالت میں عدد کے ساتھ معدود میں تبدیلی نہیں آتی۔ فارسی میں دو اسپ ہا نہیں بلکہ دو اسپ ہوگا۔ سہ مردان نہیں سہ مرد ہوگا۔ ظاہر ہے کہ نصاب کی تدوین میں وہ مسائل پہلے آئیں گے جو اس لسانی فرق سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

بعض مقامات پر فارسی کی تدریس میں طالب علم کی اردو سے واقفیت سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ، مثلاً فارسی میں مضارع بنانے کا قاعدہ مقرر اور متعین نہیں ، پہلوی میں تھا لیکن لسانی تغیرات نے صورت بدل دی ہے۔ مغربی پاکستان کے طالب علم کو قدیم طریقے کے مطابق مضارع کے لیے چارٹ یاد کرانے کا رواج عام ہے جس سے فارسی سیکھنے والا طالب علم بعض اوقات خائف ہو کر فارسی سے دلچسپی چھوڑ دیتا ہے۔ خود ایران میں بھی یہ مشکل مضارع کے باب موجود ہے۔ اس کا حل ڈاکٹر عبدالعظیم قریب ، ملک الشعراء بہار اور بعض دوسرے اساتذہ نے یہ نکالا کہ ایرانی بچہ ابتدا سے دو حرفی الفاظ جانتا ہے وہ امر اور نہی سے علم کا آغاز کرتا ہے۔ اب قاعدہ یہ قرار پایا کہ طالب علم کے سابقہ علم پر بھروسہ کیا جائے اور فعل امر کے آخر میں اضافہ کرکے مضارع کی مشق کرائی جائے۔ رو کا مضارع رو + د = رود ، کن کا مضارع کن + د = کند۔ ظاہر ہے مغربی پاکستان کے طالب علم کے لیے یہ قاعدہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اردو کے وسیلے سے مضارع سازی کا عمل دو چار لفظوں کو چھوڑ کر اس قاعدے کا پابند کیا جا سکتا ہے کہ اردو میں ''ش'' پر ختم ہونے والے فارسی اسم مصدر کثیر تعداد میں رائج ہیں۔ اسم مصدر کی ''ش'' حذف کرکے اس کی جگہ ''د'' لگانے سے مضارع کے چارٹ کا بہت بڑا حصہ ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔ ''سازش'' سے سازد ، ''لغزش'' سے لغزد ، ''نازش'' سے نازد وغیرہ وغیرہ۔

ان ہر دو مقاصد کے حصول کے لیے ایک ادارے کا قیام اشد ضروری ہے۔ جہاں اردو ، فارسی کے مشترک ذخیرے کی الفاظ شماری جدید سائنٹیفک طریقوں سے کی جائے اور اردو فارسی کے لسانی سانچوں کا جائزہ لے کر ان کی مدد سے جدید کتب نصاب تیار ہوں۔ اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں تکرار الفاظ کا طریق بھی کسی خاص قاعدے کا پابند نہیں ، نیز الفاظ کی جماعت وار درجہ بندی بھی نہیں کی گئی۔ طالب علم کے لیے آسان سے مشکل کی طرف رجوع کا تدریجی طریقہ سامنے نہیں رکھا گیا۔ میرا خیال ہے کہ فارسی زبان سے طلبہ کی برگشتگی اور غفلت کے جہاں کئی دوسرے سماجی ، تدریسی اور انتظامی اسباب ہیں وہاں درجہ بندی کے اصول سے روگردانی نے بھی زبان کی مقبولیت پر خاصا اثر ڈالا ہے۔ حیرت اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب گلستان کی ایک ہی حکایت ہمیں چھٹی کی کتاب میں ، آٹھویں میں ،

دسویں میں اور پھر ایف ۔ اے اور بی ۔ اے تک میں ملتی ہے ۔ اس طرح ابتدائی درجے کی کتابوں میں رومی اور عطار کے فلسفیانہ افکار کا اندراج بھی تدریجی الفاظ شناسی اور طالب علم کی ذہنی سطح کے اساسی اصول کے خلاف ہے ۔

(۲)

مغربی پاکستان میں فارسی زبان کی تعلیم کی شرح فیصد گذشتہ چند برس میں خاصی گر گئی ہے ۔ اس کے جہاں کئی سماجی اور سیاسی اسباب ہیں وہاں ایک سبب یہ بھی ہے کہ مضامین کی درجہ بندی میں پہلے فارسی ، عربی کی حیثیت ایسی تھی کہ کالجوں کی سطح پر آرٹس کے ہر طالب علم کو ایک نہ ایک زبان لینی پڑتی تھی ۔ ایف ۔ اے میں چار مضمون کے گروہ میں فارسی شامل تھی ، نئے نصاب میں سولہ مضامین سے طالب علم کو ایک مضمون منتخب کرنا ہوتا ہے ۔ اب اس گروہ میں زبانیں ہی نہیں معاشرتی علوم بھی شریک ہیں ۔ چنانچہ وہ طالب علم جو پہلے چار مضامین میں تقسیم ہوتے تھے اب سولہ مضمونوں میں بٹ جاتے ہیں ۔ پاکستان میں تعلیم کی عام توسیع اور کالجوں کی کثرت سے تعداد میں جو غیرمعمولی اضافہ دکھائی دیتا ہے تو یہ فارسی سے خاص نہیں ، دوسرے مضامین میں بھی امتحان دینے والوں کی تعداد بڑھ گئی ہے ، لیکن مختلف کالجوں میں دیگر مضامین کے مقابلے میں فارسی کا تناسب غیر معمولی طور پر کم ہوا ہے ۔ انتظامی سطح پر اس کا کوئی معقول حل تلاش کرنا ضروری ہے ۔

(۳)

مغربی پاکستان میں فارسی کی تدریس کا مسئلہ ان دوسرے ممالک میں فارسی کی تدریس سے مختلف ہے ۔ جہاں فارسی زبان بطور بول چال کی زبان رائج ہے ۔ انگلستان کو لیجیے وہاں فارسی زبان کے مطالعے کی جو روایت ہے وہ کتابی اور نصابی ہے ۔ طبقۂ مستشرقین کی بنیادی ضرورتوں کے لیے فارسی کی تعلیم کا انتظام بعض مراکز میں موجود ہے جہاں کلاسیکی فارسی کے مطالعے کا معقول انتظام ہے ۔ دفتر خارجہ کی ضرورت علمی ، ادبی اور کتابی فارسی کی بجائے تکلمی فارسی اور کاروباری ذخیرۂ الفاظ کی تعلیم کی متقاضی ہے ۔ لندن سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز کی مساعی کا اصلی رخ اسی سیاسی ضرورت کے تحت متعین ہوتا ہے ۔ پھر بعض دوسرے مضامین کے محققوں کی ضرورتوں کے لیے چند ماہ کے ڈپلوما کورس بھی رائج ہیں ، جس سے زبان کا Working Knowledge حاصل ہو جاتا ہے ۔ مغربی پاکستان میں ہم فارسی کیوں پڑھتے ہیں ؟ — اس کا فیصلہ کیے بغیر کوئی نصاب بھی خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا ۔ اس وقت جو نظام تعلیم رائج ہے اس کے مطابق فارسی کی تعلیم کا مقصد طالب علم کے کردار کی تشکیل ، قدیم ورثہ سے واقفیت اور زبان فارسی کو بطور جدید اور زندہ زبان پڑھنا پڑھانا ہے ۔ کردار کی تشکیل کے لیے جو اسباق کتابوں میں درج ہیں ان کا زیادہ تر تعلق ان اخلاقی تعلیمات

سے ہے جنہیں مغربی ادباء Christian Morality کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن جب معاشرے میں افتراق و اختلال کی کیفیت ہو اور انسان کے عمل اور اصولوں کے درمیان فاصلے بڑھ جائیں تو نہ کوئی اخلاقی تعلیم کا ذکر مفید ہوتا ہے اور نہ اخلاق تعلیم کا زندگی پر کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے میں دیگر سیاسی ، سماجی ، مذہبی عوامل کی بجائے صرف تعلیم سے یہ توقع وابستہ کرنا کہ کتابوں میں اخلاقیات کی تعلیم سے معاشرے کی حالت سدھر جائے گی حقایق کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے حلقۂ تعلیم سے باہر بعض دوسرے عوامل اور خود معاشرے کے پورے ڈھانچے پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ اس لیے ان اخلاقی اسباق سے اگر ہمارے معاشرے کی حالت نہیں بدلی تو پھر یہ سمجھ لینا ضروری ہوگا کہ ہم اپنے نظام تعلیم کی مدد سے مختلف مقاصد کی باہمی وحدت قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ فارسی کی تعلیم دولخت مقاصد کا شکار ہے ؛ ایک طرف تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا طالب علم ماضی کے بیش قیمت علمی و ادبی سرمایے سے بھی واقف ہو اور دوسری طرف ہمارے سر پر فارسی بطور ایک زندہ اور بول چال کی زبان کے پڑھانے کا سودا سوار ہے۔ اس کے لیے ذرا دیر کے لیے مغربی پاکستان میں دوسری زبانوں کی تدریس پر بھی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ انگریزی کو ہم ایک زندہ زبان کے طور پر بھی پڑھ رہے ہیں اور اس کا قدیم علمی و ادبی سرمایہ بھی ہماری دسترس میں ہے۔ فارسی کو سکولوں اور کالجوں میں انگریزی جیسا مقام نہیں دیا جا سکتا تاہم اس گھاٹے کے باوجود تدریس فارسی کے لیے کسی اصول کی پابندی تو ضروری ہوگی۔ ہم انگریزی ابتدائی درجوں میں بطور زندہ زبان پڑھاتے ہیں اور تدریجی طریقے پر ایم۔ اے تک آتے آتے جدید سے رخ قدیم کی طرف آ جاتا ہے۔ اور ایم۔ اے۔ کی سطح پر انگریزی کا قدیم ادبی سرمایہ ہمارے لیے موضوع خاص ہو جاتا ہے۔ فارسی کا حال یہ ہے کہ اس کا آغاز ہم قدیم و جدید کے ملغوبے سے کرتے ہیں اور طالب علم ایم۔ اے تک نہ قدیم فارسی پر حاوی ہوتا ہے نہ جدید پر ، وہ دونوں کے درمیان معلق ہو کر رہ جاتا ہے۔ فارسی کی تدریس میں دو مقاصد کو یکجا طور پر برتا گیا ہے کہ طالب علم بیک وقت اپنے ماضی کے سرمایے سے بھی آشنا ہو اور جدید زبان بھی سیکھ جائے۔ لیکن دونوں مقاصد میں باہمی ہم آہنگی مفقود ہے۔ سوال دونوں کو بیک وقت حاصل کرنے کا نہیں، سوال تو ان مقاصد کے تقدم و تاخیر کا ہے۔ آیا پہلے طالب علم کو قدیم علمی سرمایے سے روشناس کر کے رفتہ رفتہ جدید کی طرف لایا جائے یا جدید زبان پہلے سکھائی جائے اور آخری جماعتوں میں اسے قدیم ادبی سرمائے سے آشنا کیا جائے۔ یہاں ہم اس مسئلے سے دوچار ہوتے ہیں کہ مغربی پاکستان میں فارسی کی تدریس کا مقصد کیا ہے؟ پاک و ہند کے قدیم سرمایے سے واقفیت یا جدید دور کی تکلمی فارسی میں مہارت یا ایران کی دور حاضر کی ادبی فارسی سے آگاہی؟ آخر ہم فارسی پڑھیں تو کس لیے؟ اگر قدیم فارسی کا مطالعہ اور ماضی کے علمی سرمایے سے آگاہی سے اپنی شناخت مقصود ہے تو پھر کلاسیکی فارسی سے آغاز کرنا ہوگا۔ اگر فارسی کا مطالعہ بطور زندہ اور بول چال کی زبان کے کرنا ہے

تو آغاز جدید ادب سے ہوگا ۔ یہاں فیصلہ دو ٹوک کرنا پڑے گا ۔ سب حلقہ‌ہائے فکر کو خوش کرنے کے عمل سے فارسی کی نصابی کتابوں میں جو ملغوبہ تیار کیا گیا تھا وہ ناکام ہو چکا ہے ۔

اب دونوں نقطہ ہائے نظر میں مفاہمت کا موقع نہیں ۔ دونوں کو ایک ساتھ چلانا تعلیمی لحاظ سے غلط ہی نہیں خطرناک بھی ہے اور اس سے فارسی زبان کو برصغیر میں گذشتہ چند برس میں شدید نقصان پہنچا ہے ۔ اس کی تلافی شاید بہت جلد ممکن بھی نہیں ۔

(۴)

تعلیمی سوال کے ساتھ کچھ کاروباری سوال بھی منسلک ہیں ۔ بی ۔ اے ، ایم ۔ اے تک فارسی پڑھنے کے بعد آگے اس کی کھپت کہاں کہاں ہے ؟ کتنے طالب علم فارسی پڑھ کے ایران جاتے ہیں ؟ میرا خیال ہے کہ ایک فیصد سے بھی کم ۔ تجارتی لحاظ سے ہمارے روابط ایران سے کس قدر ہیں اور ان میں فارسی کی ضرورت کس قدر محسوس ہوتی ہے ؟ یہاں بھی بین الاقوامی زبانیں کام چلاتی ہیں ۔ کتنے طالب علم ایم ۔ اے کرنے کے بعد کالجوں میں استاد بنتے ہیں ؟ اس کی شرح بھی دو فیصد سے زیادہ نہیں ۔ ابتدائی درجوں سے لے کر بی ۔ اے تک کالجوں میں فارسی پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے ۔ ابتدائی درجوں میں ہم نے قدیم کے ساتھ جدید کا پیوند لگا رکھا ہے ۔ سکولوں میں پڑھانے والے استاد جدید فارسی سے آشنا نہیں ۔ ان کے لیے ملک‌گیر سطح پر کسی ریفریشر کورس کا انتظام بھی نہیں ہے اس لیے جدید فارسی کے مطالعے کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے ۔ اس کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری اساتذہ کی عدم تربیت پر بھی ہے لیکن فارسی کے زوال کا سبب کچھ اور بھی ہے ۔ جدید فارسی کاروباری زندگی ، مجلسی زندگی اور تمدنی روابط میں کہاں تک طالب علم کے کام آتی ہے ؟ کیا ایک فیصد طالب علموں کی اس ضرورت کے لیے کہ انہیں بالآخر ایران جانا ہے ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم ننانوے فیصد طلباء کو ایک ایسے طریق‌کار کا پابند بنا دیں جس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلتا ؟ یہ سوال سوچنے اور غور کرنے کے ہیں ۔ قدیم ادبی سرمایے اور تہذیبی اور تمدنی افکار کی بازیافت کی بات تو قدیم فارسی سے متعلق ہے اس کا فائدہ تو کسی نہ کسی سطح پر طالب علم خود بھی محسوس کر سکتا ہے ۔ لیکن جدید زبان کی ابتدائی درجوں میں تعلیم کا مادی حاصل کیا ہے ؟ اس سوال کے بعد یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ میں جدید زبان کا مخالف نہیں ۔ جدید فارسی زبان ہمیں ضرور سیکھنی چاہیے ۔ ایران کے جدید ادبی سرمایے سے آگہی بھی ضروری ہے اور یہ ملی و ثقافتی مفاد کے لیے اہم ہے لیکن کیا جدید زبان کو سکھانے کے لیے سکولوں اور کالجوں سے آغاز کرنا اشد ضروری ہے یا پھر الگ کوئی ادارہ قائم کرکے اس کا انتظام ہو سکتا ہے کہ جن اصحاب کو فارسی بطور زندہ زبان سیکھنی ہیں وہ سیکھ لیں ، باقی لوگ جو اعلیٰ تعلیم کے لیے ایران جاسکتے ہیں نہ انہیں ایرانیوں سے زیادہ سابقہ پڑتا ہے نہ وہ اپنے گھروں میں فارسی بولتے ہیں نہ ان کے تجارتی مفادات فارسی سے وابستہ

ہیں انہیں ہم کیوں ابتدائی درجوں میں ایک ایسی ذمہ داری سونپنا چاہتے ہیں جس سے آگے چل کر وہ کوئی کام نہ لے سکیں گے؟ میرا خیال یہ ہے کہ فارسی کی تدریس کا عمل قدیم سے رفتہ رفتہ جدید کی طرف آنا چاہیے۔ ایسے میں ایم۔اے میں جدید کا پلہ بھاری بھی ہو تو یہ بہت مناسب ہوگا۔ یا پھر ایم۔اے کو تخصیص کی منزل جان کر آپ قدیم ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں تو پھر کاروباری اور تکلمی فارسی، جدید ادبی فارسی، جدید ادبی اسالیب کے لیے الگ تدریسی مدرسے قائم کیجیے یا پھر یونیورسٹیوں میں ڈپلوما کلاسیں جاری کیجیے۔ جسے ضرورت ہوگی وہ اس میں داخلہ لے کر جدید فارسی کی سند لے لے گا۔ پی ایچ۔ ڈی کرنے والوں کو دوسرے ممالک میں جس طرح بعض زبانوں سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے ڈپلومے کا انتظام ہوا کرتا ہے یہاں بھی اسی طریقے کو جاری کیا جا سکتا ہے۔ کالجوں کے استادوں کے لیے یہ ضروری قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ جدیدفارسی کا ڈپلوما ضرور حاصل کریں جب انہیں ملازمت دی جائے۔ اس سے کالج کی منزل میں جدید فارسی کے فروغ کی صورت ہو سکتی ہے لیکن سکولوں سے اس توقع کو وابستہ کر لینا کسی طرح بھی موزوں نہیں۔

(۵)

قدیم و جدید کا یہ فرق جو یہاں پیش کیا گیا ہے اسے بعض لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ زبان کا ارتقا ایک تدریجی عمل ہے۔ فارسی پاک و ہند میں آغاز میں بول چال کی زبان تھی پھر وہ کتابی زبان ہو کر رہ گئی۔ یہاں ایرانی اثرات کے مقابلے میں ماوراء النہر کے اثرات زیادہ غالب رہے۔ چنانچہ ہند و پاکستان میں فارسی کا لب و لہجہ، تلفظ اور ذخیرۂ الفاظ ہی نہیں بلکہ اظہار و بیان کے پیرائے بھی ایران سے الگ رہے۔ تیموری خاندان کے زوال پر ہمارا ایرن سے ناطہ کٹ گیا۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد خود فارسی کو یہاں سے دیس نکالا ملنے لگا۔ زبان کے تدریجی ارتقاء نے ایران میں فارسی کو کچھ سے کچھ کر دیا۔ اب جدید فارسی تہرانی لہجے اور جدید ادبی زبان کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ پاک و ہند اور ایران میں فارسی کی نشو و نما الگ سیاسی اور سماجی حالات کے تحت ہوئی۔ زبان کے فطری عمل سے انکار نہیں، زندہ زبان بدلتی رہتی ہے۔ ایران کی جدید فارسی پاکستان کے فضلاء و ادباء کے لیے کوئی دوسری زبان کی حیثیت نہیں رکھتی اس لحاظ سے قدیم و جدید کی تقسیم فروعی نظر آتی ہے لیکن اسے تدریس کے پس منظر میں رکھ کر دیکھنا ضروری ہے۔ ایک عالم جو زبان کے مختلف مدارج سے واقف ہے وہ فارسی کی اس بدلی ہوئی صورت کو فطری عمل کے طور پر قبول کرتا ہے۔ اس کے سامنے زبان کے سارے مرحلے ہوتے ہیں لیکن ابتدائی درجے کے طالب علم پر تدریجی عمل کی منزلیں اجاگر نہیں۔

زبان کے اس روپ میں جس کی مدد سے طالب علم اردو زبان اور قدیم فارسی کے مزاج تک پہنچتا ہے اور جدید فارسی کے روپ میں جو ایران میں نشو و نما پا کر ملا ہے فرق دیکھ کر اسے خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک مبتدی کو الفاظ کی بناوٹ، تہذیبی حوالوں اور پاک و ہند کے

مشترک ثقافتی سرمایے کی بازیافت تک لے جانے میں ناکام رہتی ہیں۔ یہ صورت صرف سکولوں ہی میں نہیں کالجوں میں بھی درپیش رہتی ہے۔ کالجوں کے اساتذہ کے لیے بھی اکثر جدید فارسی کی فضا اور لب و لہجہ غیر مانوس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں طالب علم کا مضمون سے اجتناب یقینی سا ہو جاتا ہے۔ اساتذہ کی جدید لسانی تربیت اور ایرانی زندگی کے نئے کوائف سے آگاہی کا کوئی مؤثر ذریعہ موجود نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اوپر کے تعلیمی درجوں میں بھی فارسی کی تدریس بطور زندہ زبان موجودہ حالت میں تسلی بخش نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ قدیم و جدید کے اس نفسیاتی بعد کو دور کرنے کے لیے اعلیٰ درجوں کے اساتذہ کی تربیت اور تعلیم کا کوئی معقول نظام وضع کیا جائے۔